

حبِ عنید  
از قلمِ واحبہ فاطمہ

قسط نمبر 06

ناول بینک ویب پر شائع ہونے والے تمام ناولز کے جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔ اگر آپ اپنی تحریر ناول بینک پر شائع کروانا چاہتے ہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں سینڈ کر دیں۔ آپ کی تحریر ناول بینک ویب پر شائع کر دی جائے گی۔

E-mail : [pdfnovelbank@gmail.com](mailto:pdfnovelbank@gmail.com)

WhatsApp : 92 306 1756508

ناول بینک انتظامیہ

وہ کسی تھکے مسافر اور اپنا سب کچھ لٹا دینے والے کسی ہاری  
ہوئے جواری کی طرح صبح سویرے گلیوں میں مارا مارا پھرتا اب  
انکی کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔

بیل بجائی تو ایاز صاحب دروازہ کھولنے چلے آئے۔ ان کے خود  
کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔ اسے یوں لڑکھڑاتے قدموں سے  
چلتے دیکھ حیران ہوئے۔

کیا ہوا بیٹا؟ تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی؟ ایاز صاحب اسے سہارا  
دے کر اندر لائے تھے۔



کیا ہوا بیٹے کس نے مارا تمہیں،، آخر بتاتے کیوں نہیں؟

یہ سب اس چڑیل کی وجہ سے ہوا انکل،، وہ جو میری نام نہاد بیوی ہے اب،، سب سے پہلے آکر مجھ سے میری ماں چھین لی،، اسی کی بددعا سب اجاڑ کر لے گئی،، یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا،،

قلبِ مرتضیٰ نے دانت پیس کر کہا لہجہ بے تحاشا نفرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ دعا نے حیرت سے اسے دیکھا اس نے بات جاری رکھی۔



کچھ پیپرز اور تصاویر تھیں جو اس نے آکر مرتضیٰ کی جانب اچھالیں تھیں۔

او کم آن بھائی،، اپنی آنکھوں سے یہ جھوٹی اور فریبی محبت کا چشمہ اتار کر پھینک دیں تو بہتر ہے،، کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی،، کسی نے کچھ نہیں کیا ہے،، وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں تھی جو کسی کے تعویذ گنڈوں پر چلتی،، یہ دھوکہ وہ جانے کب سے دے رہی تھی آپ کو،، انکی بی بی کے نکاح نامے پر اس دھوکے کی ڈیٹ پڑھ لیں آپ،، کافی عرصہ پرانی ہے،، اسے صرف آپ کے پیسے سے



E-mail [pdfnovelbank@gmail.com](mailto:pdfnovelbank@gmail.com) WhatsApp **03061756508**



بزدلوں کی طرح اپنا سارا غم و غصہ اس معصوم پر نکالا، مرتضیٰ  
،، بھائی آپ سے یہ امید نہیں تھی ہمیں

دعا نے آج اپنی ساری بھڑاس نکالی تھی۔ اور جا کر اپنے کمرے  
میں غائب ہو گئی۔

مرتضیٰ کی رگوں میں جیسے خون کی روانی تھم سی گئی تھی۔ سانس  
تھا کہ سینے میں الجھ رہا تھا۔ ایک پھانس تھی جو گلے میں اٹک  
چکی تھی۔ ابھی ابھی جو اسے آئینہ دکھایا گیا تھا اس میں اس کی  
خود کی شکل کتنی مکروہ اور بھیانک دکھائی دی تھی اسے۔

مرتضیٰ کو اپنے آپ سے کراہیت محسوس ہوئی تھی۔ اپنے اعمال سے گھن سی محسوس ہوئی۔ ہمارے کچھ بد اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا مداوا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

پوری طرح برباد تو وہ اب ہوا تھا جب اس پر آگاہی کے دروا  
ہوئے تھے۔ اور اپنا آپ ہوا میں اڑتے کسی بے جان تنکے سے  
بھی زیادہ حقیر محسوس ہونے لگا۔



منیہا کی آنکھ کھلی تھی۔ کئی لمحے تو سوچنے میں گزار دیئے کہ وہ ہے کہاں؟

تلخ ترین حقیقت یاد آنے پر دل پھر بجھ گیا۔ وہ جو جلدی سے اٹھنے لگی تھی۔ کسلمندی سے بیڈ پر پھر ڈھے کر کمفرٹر ٹانگوں کے بیچ دے لیا۔ لمبی سی جمائی لے کر ایک جان لیوا انگڑائی لی۔ اور پھر بازوؤں میں بھی کمفرٹر دبوچ لیا۔ اور آنکھیں موند لیں۔

راحم جو ڈریسنگ پر کھڑا آئیے میں اس کی ساری کاروائیاں ملاحظہ فرما رہا تھا گڑبڑا کر نگاہیں پھیریں۔

ادھر منہا کو اپنی کمر کسی کی نگاہوں کی تپش سے جھلستی سی محسوس ہوئی تو پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھ تو جھٹکے سے اٹھی اور پھر اپنے خول میں سمٹ گئی۔

او سو سوری،، میں اتنی دیر سوتی رہی،، وہ چیل اڑستی ڈریسنگ  
کی جانب بڑھی تھی۔ ڈریسنگ سے اپنا ڈریس نکالا اور واش روم  
گھس گئی۔ فریش ہو کر باہر آئی تو راحم اسی کا انتظار کر رہا تھا۔  
مگر جب وہ اسے بغیر دیکھے سر پر دوپٹہ اوڑھے چھپاک سے باہر  
نکل گئی تو راحم نے حیرت سے خالی دروازے کو دیکھا۔





تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے منیہا، اس دن بھی جب آپ بیمار  
تھیں تمہاری آنکھیں ایسے ہی سوجیں ہوئیں تھیں،، تو کیا رات  
بھی تم روتی رہی ہو،؟

وہ اسے ٹونٹ کرنے سے، کرپید نے سے باز نا آ سکا۔

منہا نے سکون سے اسے دیکھا۔

ارے نہیں،، آپ کی عشو کی بچی نے زبردستی مجھے لینز لگا دیئے جن سے مجھے الرزجی ہو جاتی ہے اور یہ اسی ک نتیجہ

،،، ہے،، کیا زیادہ سوزش ہو رہی ہے





چھ ماہ ہو چکے تھے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا مرتضیٰ گھر نہیں لوٹا تھا۔ ویسے بھی لاسٹ ایگزیم تھا تو راحم اور مرتضیٰ بری طرح اسی میں بزی رہے۔

آج چھ ماہ کے بعد فراغت نصیب ہوئی تھی۔ رزلٹ بھی آچکا تھا اور وہ بہترین شاندار کارکردگی سے پاس ہوئے تھے۔ کمپنیز جابز بھی آفر کر رہی تھیں۔ جن میں سے ایک کی آفر ان دونوں نے ہی قبول کی تھی۔ کمپنی گھر اور گاڑی بھی دینے والی تھی۔

وہ اپنی دکانوں کے اوپر بنے مکانوں میں سے ایک میں رہ رہا تھا۔

دوبارہ ہمت نہیں ہوئی تھی گھر کا رخ کرنے کی۔ کس منہ سے  
سامنا کرتا ماں کا، اور خاص کر اس کا جسے بالکل بے قصور اور  
معصوم ہونے کے باوجود جانے کتنی تکلیف پہنچا چکا تھا۔ پل  
پل بے چین ہوا تھا۔ خود بھی تو یہ چھ ماہ پل پل اذیت میں  
گزارے تھے۔ پچھتاوے کا ناگ ہر وقت ڈستا رہتا اور تکلیف  
پہنچاتا رہتا تھا۔

اور اسے جسے تحفظ دینے کے لئے اس کی جان کی حفاظت کے  
لئے اسے عزت و احترام دینے کے مرتضیٰ کو سونپا گیا تھی۔ اس

کی نصف بہتر۔ اور مرتضیٰ نے کیا کیا تھا اپنی ہی نصف بہتر  
کے ساتھ اپنی بیوی اپنی عزت کے ساتھ۔

یہ چیزیں اسے ناچین لینے دیتی تھی نا سکون اے سونے دیتی  
تھیں۔

وہ جاگنگ سے واپس آکر ٹاول سے جسم صاف کرتا پانی پی رہا تھا  
جب فون رنگ ہوا۔ فون اٹھا کر دیکھا تو سکرین پر جلمگاتا ناصرہ  
بیگم کا نمبر دیکھ کر خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ فون دھڑکتے دل  
کے ساتھ یس کر کے کان کو لگایا۔

،، السلام وعلیکم امی،، کیسی ہیں آپ،، سب خیرت تو ہے ناں  
،، آپ دونوں ٹھیک تو ہیں ناں  
وہ بری طرح بے چین ہوا تھا۔

وعلیکم السلام،، میں بالکل ٹھیک ہوں،، تم نے جہاں رہنا ہے  
رہو،، جہاں جانا ہے جاؤ،، مگر مہربانی کر کے مناہل کو طلاق بھیج  
دو،، تاکہ میں اس کا کہیں اچھی جگہ دیکھ کر کسی شریف اور  
خاص کر وہ انسان ہو اس سے شادی کر دوں مناہل کی





Visit For More Novels : [www.urdunovelbank.com](http://www.urdunovelbank.com) Page 24  
E-mail [pdfnovelbank@gmail.com](mailto:pdfnovelbank@gmail.com) WhatsApp [03061756508](https://wa.me/03061756508)



اپنے سارے شوق پورے،، ابھی وہ صرف اور صرف قلبِ  
،، مرتضیٰ کی ملکیت ہے

مرتضیٰ کی غصے سے بھرپور آواز فون میں سے گونجی تو ناصرہ بیگم  
جو مناہل کی جانب سے فکر مند تھیں یہ سن کر تسلی سی ہوئی۔

اچھا شکر ہے قلبِ مرتضیٰ میں اتنی غیرت تو باقی ہے کہ اپنی  
عزت کو کسی اور کے حوالے کرنے کی بات پر آگ لگی،، اور  
اس وقت یہ غیرت کہاں جا سوئی تھی میاں جب اپنی ہی عزت  
،، کو بے عزت کر رہے تھے



جس دن سے وہ گیا تھا مڑ کر کوئی خیر خبر بھی تو نہیں دی تھی۔

چاہے کچھ بھی تھا۔ وہ ایک ماں تھی۔ مانتی تھی ان کے بیٹے  
نے جو گناہ کیا تھا وہ ناقابلِ تلافی تھا۔ مگر وہ بھی کیا کرتیں سینے  
میں ایک ماں کا جو دل تھا وہ تو اپنے بچے کی نادانیوں پر دانستہ  
آنکھیں بند کر لینے والا تھا۔ ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے آج  
چھیڑا تھا۔ اور ان کا تیر عین نشانے پر لگا تھا۔ تبھی اس کے  
آنے کی نوید سن کر اب وہ سکون میں تھیں۔



ان چھ ماہ میں اس نے پوری طرح محسوس کر لیا تھا جیسے منہا  
میڈم نے خود کو اپنے ہر حق سے دستبردار کر لیا تھا۔ چھ ماہ سے  
وہ اس کی یہ روٹین دیکھ رہا تھا کہ صبح راحم کے اٹھنے سے پہلے وہ  
کچن میں یا زہرہ بیگم کے کمرے میں جا گھستی۔

اس کی یونی سے واپسی پر بھی وہ زہرہ بیگم کے پاس ہوتی یا  
حیات صاحب کے ساتھ شطرنج کھیل رہی ہوتی۔ یا سڈی میں  
ہوتی۔ اس کے روم میں جانے سے پہلے وہ سو جاتی یا اس کے  
سونے کے بعد روم میں گھستی۔

رہی بات سنڈے کی تو وہ آئے سنڈے حیات صاحب کے ساتھ  
اپنے میکے روانہ ہو جاتی۔ اب جبکہ وہ سڈی سے فری ہوا تھا اور  
فراغت کے لمحے میسر آئے تھے یہ تو تب نوٹ کیا کہ محترمہ اسے  
گھاس تک ڈالنے کو تیار نہیں ہیں۔۔۔ اب تو راحم نے آفس بھی  
جوائن کر لیا تھا۔

بہت حیرت کی بات تھی کہ شادی کی پہلی رات کو ہی اپنی بیوی اپنی عزت اپنی نصف بہتر کو یہ کہنے والا شخص کہ اسے اس میں کسی بھی قسم کی دلچسپی نہیں ہے اب اس کی ایک نظر التفات کے لئے تڑپ رہا تھا۔

منہا نے اسے اس پہلی رات ہی حیرت میں مبتلا کیا تھا۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا تب اسے تکلیف تھی۔ وہ اس کے اس عجیب اور غیر فطری رویے سے پریشان تھا بری طرح جھنجھلا رہا تھا۔ وہ اسے اچھا خاصا اگنور کر رہی تھی یہ بات تو بالکل ناقابلِ برداشت اور ناقابلِ یقین تھی۔

وہ راحم ابرک کے لئے ایک معمہ ایک پہیلی ثابت ہو رہی تھی جسے وہ قریب جا کر سلجھانا چاہتا تھا۔ اس پزل کو حل کرنا چاہتا تھا۔ سب سے بڑی بات اس کی توجہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے بارے میں سوچے، بات کرے اس کے اگے پیچھے پھرے۔ آخر شوہر تھا اس کا۔ وہ اس کے معاملے میں کیوں اتنی لاپرواہ بن رہی تھی۔

عام خواتین تو شوہروں سے اپنا حق حلق میں ہاتھ تک ڈال کر وصول کر لیا کرتی ہیں پر منیہا نے ایسا کچھ کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ

اب بھی راحم گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اس کے روم میں داخل ہوا تو وہ کہیں نہیں تھی۔ اس کے ماتھے پر بے شمار بل آئے۔ وہ پھر رات کے گیارہ بجے حیات صاحب کے سٹڈی میں گھسی ہوئی ہوگی۔ اس بات سے لاپرواہ اور بے خبر کے وہ آفس سے گھر آچکا ہے۔ وہ بری طرح جھنجھا اٹھا تھا۔



آج تو راحم کے قدم خود بخود سٹڈی روم کی جانب اٹھے تھے۔  
پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے وہ سٹڈی کے دور تک آیا تھا۔  
حسب توقع وہ کاٹ پر نیم دراز کسی ناول میں گھسی ہوئی تھی۔  
سکن اور بلیک امتراج کی فراک میں نازک سراپا سراہے جانے  
کے قابل تھا۔

وہ بغور اسے دیکھے گیا۔

آخر ایسا کیا کیا جائے کہ اس کی ساری لاپرواہی ساری بے نیازی  
ایک طرف دھری کی دھری رہ جائے۔ دل میں تانے بانے بنتے



کہ تیرے بن کچھ سنائی  
کچھ سمجھائی نہیں دیتا

راحم نے باآواز بلند ڈائری کے پیج سے پڑھا تو منہا کے چہرے پر  
ہوائیاں اُڑیں۔ اس ہمراز ڈائری میں ہی تو اس کی بے نیازیوں  
کے کئی راز سفن تھے۔ وہ جھٹکے سے کاٹ سے اٹھی۔ تھی  
بوکھلاہٹ اتنی تھی کہ دوپٹے کا بھی ہوش نہیں رہا۔ وہ اس کی  
جانب لپکی۔ اور یہی تو وہ چاہتا تھا۔ تعجب کی بات تھی کہ اسے  
کہنے والا کہ وہ اس دور رہے گا آج خود ہی چاہتا تھا وہ اس کے  
قریب چلی آئے۔







منیہا نے اس کی شرٹ کھینچی وہ لڑکھڑایا۔ اور پشت کے بل پیچھے  
منیہا کے اوپر ہی گرا۔ منیہا بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائی اور پشت  
کے بل بیڈ پر گری۔

اب صورت حال کچھ یوں تھی کہ منیہا بیڈ پر لیٹی تھی اور اس  
کے اوپر بھاری بھر کم راحم گرا ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

راحم،، مجھے سانس بھی نہیں آ رہا،، وہ بمشکل ہی گھٹی گھٹی آواز  
میں بول پائی تھی۔ راحم اس کی اس حالت پر رحم کھاتے ہوئے

وہ بری طرح بوکھلائی تھی۔ فراک کے اگلے پچھلے گہرے گلے میں سے اس کی رعنائیاں صاف جھلک رہی تھیں۔ شکن کرتی سیاہ شلوار میں سادگی بھرا حسین روپ تو بہ شکن حد تک بہکا دینے والا تھا۔ تبھی بغیر سوچے سمجھے راحم نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے سینے پر گرایا تھا۔



منیہا تو پہلے ہی بوکھلاہٹ کا شکار تھی اب خود کو اس سچویشن میں دیکھ اس کے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔ راحم نے اس کے کچر میں مقید بال کھولے تھے۔

بالوں کی خوشبوؤں میں بسی آبشار راحم کے کندھوں پر بکھری تھیں۔ اب وہ بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا جو اس کی زرا سی قربت سے ہلکان ہوتی لب نیم وا کیے لمبے لمبے سانس بھر رہی تھی۔ اور آنکھیں سختی سے بند کر رکھی تھی۔ گلے میں سے حسن کے نشیب و فراز دعوتِ نظارا دے رہے تھے۔





جاری ہے